ساتھ دسترخوان پر بیٹھیں۔ چنانچہ جب انہیں لاکر ایک ہی صف میں دسترخوان پر بٹھادیا گیا تو ہمارے شیخ محترم اپنے سجادہ سے اٹھ کر ان کے ایک فرد کی طرح ان کے درمیان بیٹھ گئے۔ اور انہی کے ساتھ کھانا کھایا اس وقت ہمیں ان کے چہرے پر ان کے باطنی پُرخلوص تواضع، عاجزی اور انکساری کی وہ جھلک نظر آئی جس سے ان کے ایمان اور وسیع علم و عمل کا پتہ چلتا ہے۔

اس ضمن میں مصنف فرماتے ہیں:۔ بعض مشائخ نے تواضع کو ذلت کا قائم مقام قرار دیا ہے، جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ حدِ اعتدال سے انحراف کیا گیا ہے۔ مصنف اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں۔

چونکہ انہیں اپنے مریدوں سے غرور و تکبر کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے وہ ان کی نفسانیت کا قلع قمع کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ اور وہ اس لئے کہ روحانی حالت کے غلبے کے ظہور کے ابتدائی دور میں شاذ و نادر ہی کوئی مرید خود پسندی سے خالی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اکابر صوفیہ کی طرف سے خود پسندی کے بہت سے اقوال منقول ہیں، جو غالباً حالت سکر کے آثار ہوتے ہیں۔

علم تصوف، صوفیائے کرام اور ان کے معاملات، حالات و مقامات نیز ان کے قائم کردہ خانقاہی نظام کے فرائض و آداب کے متعلق حضرت شہاب الدین سہروردی کی یہ کتاب "عوارف المعارف" گویا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اور صرف ان موضوعات پر ہی یہ جامع کتاب نہیں، بلکہ اپنے وسیع معنوں میں یہ علم الاخلاق کی بھی ایک مہتم بالشان کتاب ہے۔ اس لئے یہ تصوف کی ان چند کتابوں میں سے شمار ہوتی ہے۔ جو گزشتہ سات آٹھ سو سال میں سب سے زیادہ پڑھی اور پڑھائی گئی ہے۔ اور اہل تصوف اور اہل شرع دونوں حلقوں میں مقبول رہی ہے۔

---

جب میں ان علوم سے فارغ ہو کر صوفیا کے طریقہ کی طرف متوجہ ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے تکمیل کو پہنچتا ہے ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کا قطع کرنا، اخلاقِ ذمیمہ و صفاتِ خبیثہ سے پاک و منزہ ہونا ہے تاکہ اس کے ذریعہ قلب کو غیر اللہ سے خالی کیا جائے اور اس کو ذکرِ الٰہی سے آراستہ کیا جائے۔ (امام غزالی

(قرآن اور تصوف تالیف ڈاکٹر میر ولی الدین)

# میرا سفرِ حجاز

مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی

"ایک انسان کے عزم کی پختگی سماوی اور ارضی اسباب کو حرکت میں لے آتی ہے" اصفیاء کے اس قول کی صداقت کا تجربہ مجھے حج کے سلسلے میں اپنی ذات پر ہوا۔ فریضۂ حج کے لئے سفر کرنے پر جو پابندیاں عائد ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی بھی سال حج کے سلسلے میں حتمی فیصلہ کر لینا ناممکن نہ سہی، لیکن دشوار ضرور ہے اس کے ساتھ ہی میں نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ اس سال ۱۹۶۳ء میں فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد مجھے مشرقی وسطیٰ کے عالم اسلام کی سیاحت بھی کرنی ہے۔

سفر میں کسی اچھے ساتھی کی رفاقت سے سفر کی صعوبات میں بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے میری ترغیب پر میرے دو مخلص دوست سندھ مسلم کالج کراچی کے دو استاذ پروفیسر ظہور احمد صاحب اور پروفیسر سید فخر الحسن صاحب بھی میرے ساتھ سفر حجاز کے لئے تیار ہو گئے۔ ہم نے ایک طرف تو باقاعدہ طور پر سفر حج کے لئے درخواست دے رکھی تھی اور دوسری طرف انٹرنیشنل پاسپورٹ کے لئے بھی کوشش شروع کر دی تھی۔ کیونکہ حج کا پاسپورٹ صرف حجاز تک کام دیتا ہے اس سے آگے کی سیاحت نہیں ہو سکتی۔

انٹرنیشنل پاسپورٹ تو اپنے کالج کے بعض مخلص تلامذہ کی کوششوں سے گھر بیٹھے ہی مل گیا۔ اس سلسلہ میں سید غلام مصطفےٰ شاہ ناظم تعلیمات کراچی کی عنایتیں خاص طور سے شامل حال رہیں موصوف نے میری طرف سے ضروری گارنٹی اور ضمانت دی جس سے پاسپورٹ ملنے میں آسانی ہو گئی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

جس روز کراچی کے امیدوارانِ حج کی درخواستوں کا فیصلہ بذریعہ قرعہ ہونا تھا اللہ پاک کی اعانت پر بھروسہ کرتے ہوئے

اپنے رفیق شفیق پروفیسر ظہور احمد صاحب کی معیت میں قرعہ کی جگہ پہنچا۔ کوئی آٹھ دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ہمارا نام کامیاب امیدواروں میں پکارا گیا، تو ہماری خوشی کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ اب خدا کے فضل و کرم سے ادائیگی فریضۂ حج یقینی ہوگئی تھی۔

اس کے بعد سامان سفر کی تیاری شروع ہوئی۔ میں سفر میں بھاری بوجھ سے ہمیشہ گھبرا جاتا ہوں۔ چنانچہ میں نے کم سے کم سامان ساتھ لینے کا فیصلہ کیا۔ اس سفر کی غائت حصول برکات اور ادائیگی فریضہ تھی اور اس میں تشہیر نامناسب تھی لیکن اسے اپنے کالج کے رفقاء اور دوسرے مخلص اور قریبی احباب سے کیسے چھپا سکتا تھا۔ اس لئے مجبوراً ان کی کئی الوداعی دعوتیں قبول کرنی پڑیں۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ اخلاص و محبت کا مظاہرہ کالج کے جملہ شاگردوں نے بالعموم اور اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ نے بالخصوص کیا اور مجھے الوداع کہنے کے لئے کئی تقریبیں کیں۔

۱۴ اپریل کو ہمیں "سفینۂ حجاج" جہاز پر سوار ہونا تھا۔ اس روز آٹھ بجے صبح میرا ایک مخلص شاگرد محمد الیاس پراچہ اپنی موٹر لے کر گھر پر پہنچا، اسی طرح میرے ایک دوست مولوی محمد جامی صاحب نے بھی یہی زحمت فرمائی۔ غرض بال بچوں کی معیت میں بندرگاہ پر پہنچا۔ کالج کے کئی ایک ساتھی اساتذہ، بعض مخلص تلامذہ اور دوسرے کئی کرم فرما حضرات الوداع کہنے کے لئے بندرگاہ پر موجود تھے۔ اتنے احباب کی وجہ سے سامان کی دیکھ بھال اور دوسرے امور میں بڑی آسانی ہوئی۔

قرآن مجید نے اولاد کو من جملہ آزمائش کے بتایا ہے میرا بڑا لڑکا سعید جو آٹھ برس کا ہے، اس خیال میں تھا کہ میں بھی ابا جان کے ساتھ جارہا ہوں، کیونکہ یہاں بھی وہ حضر و سفر میں ہمیشہ میرے ساتھ ہی ہوتا ہے وہ بندرگاہ پر پھولوں کے ہار ڈالے میرے ساتھ پھر رہا تھا۔ لیکن عین موقعہ پر جب میں "سفینۂ حجاج" میں سوار ہونے کے لئے چلا تو مجھے سعید کو چھوڑنا پڑا۔ اس پر اس نے چیخ پکار کا ایک ہنگامہ برپا کردیا۔ چنانچہ اسے زبردستی پکڑ کر موٹر میں بٹھانا پڑا۔ اور دو تین آدمیوں نے بمشکل اس کو موٹر میں روکے رکھا۔ اولاد کی محبت انسان کا فطری تقاضا ہے اس منظر کو دیکھ کر ایک گونہ رقت تو طاری ہوئی لیکن قرآن مجید کی مذکورہ آیت کو یاد کرتے ہوئے میں جہاز پر چلا گیا۔

تین بج کر پینتالیس منٹ پر جہاز نے لنگر اٹھایا۔ اور جملہ عازمین حج تسبیح و تہلیل اور عبادت میں لگ گئے

چھ دن تک مسلسل ہمیں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ عدن سے آگے جہاز کو کافی ہچکولے بھی لگتے رہے، جن کا کہ ہم پر کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ ہم فسٹ کلاس میں تھے۔ جہاز میں کھانے پینے کا بڑا اچھا انتظام تھا۔ راستے ہی میں ہم نے احرام تمتع باندھا۔ اور اس طرح کفن بدوش حالت میں ہماری زبانوں سے لبیک لبیک کی آوازیں سارے جہاز میں گونج اٹھیں۔ احرام سے قبل تو پروفیسر ظہور احمد صاحب اپنی طبعی ظرافت اور فطری خوش دلی کی بنا پر کبھی کبھی دل بہلانے کا سامان فرماتے رہتے تھے۔ لیکن احرام باندھنے کے بعد تمام وقت ذکر و عبادت میں گزرنے لگا اور ہر لمحہ دیار حبیب میں داخل ہونے کا انتظار ہونے لگا۔ آخر الامر چھٹے روز صبح کو بندرگاہ جدہ قریب آگئی جیسے ہی جہاز بندر پر لنگر انداز ہوا، بہت سے عرب قلی سامان اتارنے کے لئے جہاز پر چلے آئے۔ کراچی بندرگاہ پر تو ہر ایک مسافر کو اپنی حفاظت میں اپنا سامان قلی کے ذریعہ جہاز پر چڑھانا یا اتارنا پڑتا ہے، لیکن بندرگاہ جدہ پر اس سے مختلف انتظام نظر آیا، قلی سب سامان جہاز پر ایک جگہ اکٹھا کرتے ہیں۔ پھر مشین کے ذریعہ وہ اتارا جاتا ہے۔ اس طرح ایک تو حاجیوں کا سامان ایک دوسرے سے گڈ مڈ ہو جاتا ہے۔ کہ بعد میں بڑی دقت سے انہیں تلاش کر کے نکالنا پڑتا ہے۔ دوسرے سامان جمع کر کے یوں اتارا جاتا ہے کہ بھاری بوجھ کے تلے کئی صندوق ٹوٹ بھی جاتے ہیں اور مجاج کا کچھ سامان ضائع بھی ہو جاتا ہے۔ بہر حال ہم اپنا سامان جہاز پر چھوڑ کر نیچے اتر آئے۔

جہاز سے اترتے ہی ہم سے معلموں کے متعلق پوچھ گچھ شروع ہوئی معلموں کے وکیل غول در غول ہمارے انتظار میں کھڑے تھے۔ ہم نے تو کراچی ہی سے اپنے ایک قدیم دوست محمد ہاشم سندھی کو اپنا معلم مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ گیٹ پر اس کا نام بتا کر اب ہم آگے بڑھے تو معلم موصوف کے وکیل ابوزید نامی سے تعارف ہوا۔ اب وکیل کے آدمیوں کے ساتھ سامان کی تلاش شروع ہوئی۔ میرے ساتھیوں کا تو سب سامان مل گیا، لیکن میرا آدھا سامان غائب تھا۔

بعد ازاں اس غائب شدہ سامان کی کسٹم والوں کی طرف سے تلاش شروع ہوئی، میں چونکہ بفضلہ تعالیٰ عربی اچھی بول سکتا تھا اس نے وہاں بڑا کام دیا۔ لیکن غائب شدہ سامان نہ ملا۔ میرے پاس حدیث اور فقہ کی کچھ کتابیں تھیں جن میں کچھ تو مجلس علمی کی طرف سے مولوی عبدالرزاق صاحب کے لئے جو کہ جامعہ مدینہ

میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، امانت کے طور پر ملی تھیں، اور کچھ اپنی تھیں جنہیں حجاز کے چند احباب کے لئے بطور تحفہ لئے جا رہا تھا، وہ سب کسٹم والوں نے روک لیں، اور ان کتابوں کی مجھے رسید دے دی گئی۔ معلوم ہوا کہ حکومت حجاز کتابوں کو اندرون ملک لے جانے کے معاملہ میں بڑی سختی سے کام لیتی ہے تاکہ اس کے مذہبی عقائد کے خلاف یا اس کے متعلق کوئی مخالف کتاب حجاز میں داخل نہ ہونے پائے۔ حفظ ماتقدم کے لئے حکومت کا یہ حفاظتی اقدام بے شک ٹھیک ہے لیکن اس کام پر علما متعین ہوں جو ان کتابوں کو دیکھ لیا کریں، تو مشہور کتب حدیث اور دوسری دینی کتابیں اس وارد گیر سے محفوظ رہیں۔ میں نے کسٹم والوں کو بہت کہا کہ ان کتابوں میں ایک کتاب "نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ" تو بہت مشہور ہے جو مصر میں چھپی ہے اور فن حدیث میں ہے۔ لیکن انہوں نے میری ایک بھی نہ سنی، مجبوراً وہاں سے نکل کر ہم حاجی کیمپ میں پہنچے۔ حاجیوں کی وجہ سے وہاں بڑی چہل پہل تھی خورد و نوش کے لئے ہوٹل کھلے ہوئے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ سامان جو مالکوں کو نہیں مل سکا تھا حاجی کیمپ کے میدان میں پڑا ہوا نظر آیا، میں نے اس میں اپنے کھوئے ہوئے سامان کی تلاش شروع کی جو اس ڈھیر میں مل گیا اس سے حکومت کی مستعدی اور اہل کار کی دیانت و کارکردگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حکومت و مطوف کے واجبات مقررہ اور بس کا کرایہ دینے مطوف کے وکیل ابو زید کو ادا کرنا پڑا۔ رات ہم نے حاجی کیمپ میں گذاری، صبح بس کے انتظار کو چھوڑ کر ہم نے "تنازل" کا درقہ لے لیا، ورنہ بس کے انتظار میں سارا دن ضائع جاتا۔ "تنازل" کے معنی ہیں اپنے حقوق سے دستبردار ہونا۔ جس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ ایک مخصوص فارم پر یہ لکھ دینا پڑتا ہے کہ ہم نے دستور کے مطابق بس کا جو کرایہ ادا کیا ہے، اس سے ہم دستبردار ہوتے ہیں، ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم اپنی مرضی سے سفر کریں۔ اس کے بعد حکومت کے متعلقہ افسر کے دستخطوں سے اجازت نامہ مل جاتا ہے اور آپ کوئی بھی ٹیکسی کر کے جا سکتے ہیں "تنازل" کا درقہ لئے بغیر آپ موٹر ٹیکسی پر سواری کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ہم نے ایک ٹیکسی پکڑی اس پر سامان لادا اور اللہ کا نام لے کر چل دیئے۔ جدہ سے مکہ تک کی شاہراہ بڑی اچھی اور پختہ ہے۔ آنے اور جانے کے لئے الگ الگ راستے تھے۔ ٹیکسیاں بڑی بے تکلف اور آرام دہ ہیں۔ ان ٹیکسیوں کی طرح کی کاریں اپنے ہاں

تو صرف وزراء اور بڑے بڑے افسروں کو ہی نصیب ہوتی ہیں۔ ہماری ٹیکسی کے ڈرائیور نے جیسے ہی کار چلانی شروع کی، ریڈیو سیٹ سے عربی گانے بھی شروع ہو گئے۔ ہم چونکہ احرام کی حالت میں تھے جو کہ ایک عبادت ہے اس لئے ہمیں یہ گانا بجانا پسند تو نہیں تھا لیکن وہاں اس معاملہ میں اتنی آزادی ہے کہ الامان والحفیظ مجبوراً خاموش رہنا پڑا۔ آگے چل کر خود حرم یعنی مسجد الحرام کے دروازوں پر ہم نے لوگوں کے ہاتھ میں ریڈیو ٹرانسسٹر بجتے ہوئے دیکھے۔ ڈرائیور سے میں نے عربی میں بات چیت شروع کی تو وہ یمنی نکلا سچ ہے کہ زبان باہمی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، وہ میرے ساتھ اتنا مانوس ہو گیا کہ کھل کر اپنے ملک یمن اور وہاں کی حالات کے متعلق میرے سوالات کا جواب دیتا رہا۔

سعودی حکومت اور متحدہ عرب جمہوریہ کی باہمی پرخاش کی وجہ سے حجاز میں ریڈیو سے مصری پروگرام سننا ممنوع ہے، لیکن وہاں کے عوام سرکاری لوگوں کے سامنے تو اس قانون کا احترام کرتے ہیں، باقی ویسے وہ زیادہ تر مصری پروگرام ہی سنتے ہیں۔ ہمارا اپنا مشاہدہ تو یہی ہے۔ جدّہ سے چل کر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، ہمارے ذہن میں تو قدیم مکہ کا نقشہ تھا جہاں مکہ کی ناہموار گلیوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو توحید اور امن وسلامتی کا پیغام سناتے اور ان کی طرف سے اذیتیں جھیلتے تھے لیکن اب تو وہ حالت نہیں رہی، جس راستے سے ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اس پر واقع چوراہوں میں چھوٹے چھوٹے باغیچے تھے، جو پھولوں سے اٹے ہوئے تھے۔ پُر پیچ گلیوں کی جگہ بڑی بڑی سڑکیں تھیں، ڈرائیور ہمیں محلہ مسفلہ کے اندر معلم محمد ہاشم سندھی کے ہاں لے گیا۔ معلم صاحب کو اپنے جدہ کے وکیل کے ذریعہ ہماری آمد کا پہلے سے ہی علم تھا اور وہ ہمارے خیر مقدم کے انتظار میں تھے، انہوں نے ہمیں شروع میں تو اپنی کوٹھی پر مہمان رکھا اور دو پہر کو عربی دستور کے مطابق ہماری پُر تکلف دعوت کی اور پھر ہم سب ایک کرائے کے مکان میں منتقل ہو گئے جو صرف موسم حج کے لئے ایک ہزار ریال پر حاصل کیا گیا تھا۔ حسن اتفاق سے یہ مکان ایک مدنی نوجوان عالم سید حافظ عبدالجلیل کا تھا، جو حنبلی مشرب کے تھے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے پیرو معلوم ہوتے تھے، لیکن ان میں تعصب کا نام ونشان تک نہ تھا۔ بدقسمتی سے یہ مرض اپنے ہاں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اور یہیں معمولی معمولی اختلافی مسائل پر لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔

ان صاحب سے میری آزادانہ علمی باتیں ہوتی تھیں۔ مجھے اگرچہ وہ حنفی مذاق کا عالم سمجھتے تھے۔ لیکن وہ میری وسعت معلومات سے بڑا متاثر ہوتے تھے۔ وللہ الحمد۔ ان نوجوان عالم سے اعلام حجاز کے متعلق عموماً اور مکہ مکرمہ کے متبحر علماء کے متعلق خاص طور پر بڑی مفید معلومات حاصل ہوئیں۔

مناسک حج کے سلسلہ میں ہمارا احرام عمرہ کا تھا، لہٰذا طوافِ بیت اللہ، سعی صفا و مروہ اور سر منڈانے کے بعد ہم لوگ حالت احرام سے نکل آئے۔ اس کے بعد بارگاہ خداوندی میں عبادت کا یہ عالم تھا کہ بس طواف پر طواف اور صبح و شام حرم بیت اللہ کی حاضری رہتی تھی۔ مجھے تو وہاں کے مدارس اور علماء کی مجالس میں بھی جانا پڑتا تھا۔ باقی میرے دونوں ساتھی شب و روز عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

بیت اللہ میں پہلے ہی روز ایک بخاری عالم سے ملاقات ہوئی جنہیں وہاں مخدوم بخاری کہا جاتا ہے۔ مسجد الحرام میں یہ دستور ہے کہ مکہ مکرمہ کے وہ علماء اور صلحاء جو کہ حرم میں وعظ کرنے اور درس دینے کے مجاز ہیں مغرب کی نماز سے پہلے وہاں پہنچ جاتے ہیں، جیسے ہی نماز مغرب سے فراغت ہوتی ہے ہر ایک عالم طلبہ یا عوام کے ایک اجتماع سے خطاب کرتا ہے۔ اسی طرح سارے حرم میں آپ کو مختلف اجتماع نظر آئیں گے، باب عمرہ کے قریب مجھے اس قسم کا ایک اجتماع نظر آیا۔ عین وسط میں ایک معمر بخاری عالم عالمانہ رعب و داب سے بیٹھے ہیں، لوگ آتے ہیں۔ ان سے مصافحہ کرتے ہیں سائل پوچھتے ہیں، کچھ ہندوستانی اور پاکستانی حجاج ہاتھ چومنے کی بھی کوشش کرتے ہیں، لیکن وہ بزرگ جھٹکا دے کر ایسے لوگوں سے اپنا ہاتھ چھڑا لیتے ہیں اور پھر ان کو سمجھاتے ہیں میں بھی آگے بڑھا۔ اپنا مختصر تعارف کرایا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں نے علامہ عبیداللہ سندھی سے استفادہ کیا ہے، علامہ موسیٰ جاراللہ کو جانتا ہوں اور ان کی کتابیں پڑھی ہیں۔ وہ مجھ سے بغلگیر ہو گئے۔ اور انقلاب روس سے لے کر اب تک کے واقعات اپنی پرانی یادداشت سے سنانے لگے۔

میں نے ان کو تفسیر الہام الرحمٰن جلد اوّل جمع و ترتیب علامہ موسیٰ جاراللہ کا ایک نسخہ ہدیہ کے طور پر پیش کیا اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے، اور علامہ موسیٰ جاراللہ کے متعلق یہ قصہ سنایا۔ حضرت علامہ سے میری پہلی ملاقات انقلاب بخارا سے پہلے ہوئی تھی جب وہ بخارا میں علماء کے ایک اجتماع میں شامل ہونے کے لئے تشریف لائے تھے۔ وہ جوان تھے اور میں چھوٹا تھا۔ اور ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک

مقامی عالم نے میرے استاد سے یہ دریافت کیا کہ علامہ موسیٰ کی مونچھیں بڑی معلوم ہوتی ہیں میرے استاد نے اس کو ڈانٹ کر یہ جواب دیا کہ خاموش ہو جا! موسیٰ کی مونچھ کا ایک بال ان بارہش بزرگوں کی داڑھیوں پر فضیلت رکھتا ہے۔

مخدوم بخاری فرمانے لگے کہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب علامہ موسیٰ جار اللہ کے بعض تحقیقی رسائل کے خلاف استنبول کے شیخ الاسلام علامہ مصطفیٰ صاحب موقف العقل والنقل نے فتویٰ صادر کیا تھا فرمانے لگے کہ علمائے حق کے خلاف ہر زمانے میں اس قسم کا شور وغوغا ہوتا رہا ہے پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا نام لیا اور کہا کہ ان کے خلاف کیا نہیں ہوا۔ کہنے لگے کہ جب روس کا بخارا پر تسلط ہوا تب کہیں جاکر ہمارے بزرگ علماء کی آنکھیں کھلیں۔ اور ان کو علامہ موسیٰ جار اللہ کی قبل از انقلاب والی نصیحتیں یاد آئیں۔ علامہ موسیٰ اگرچہ حنفی المشرب تھے لیکن ان میں وہ جمود نہیں تھا جو دوسرے علماء میں تھا۔ انقلاب روس کے بعد جب وہ ہمارے ہاں تشریف لائے تو وہاں کے چند علماء ان سے ملے اور ان سے یہ استفسار کیا جو مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ ہاں موسیٰ صاحب! یہ بتائیے کہ ماوراءالنہر کے مسلمانوں پر روس کا کیوں تسلط ہوا؟ خدا تعالیٰ نے ہماری کیوں مدد نہ فرمائی؟ وغیرہ وغیرہ علامہ مرحوم جوش میں آکر فرمانے لگے کہ خدا تمہاری مدد کیونکر کرتا۔ تم نے تو عدالتوں میں فیصلہ سناتے ہوئے کبھی یہ نہ کہا کہ اللہ نے یہ فرمایا یا اس کے پیغمبرؐ کا یہ فرمان ہے" تم تو صرف فقہا کا نام لیتے رہے، اب فقہاء ہی آکر آپ کی مدد کریں!!

مخدوم بخاری نے علامہ موسیٰ جار اللہ مرحوم کی دیار حبیب اور حرم مکہ سے محبت کا ایک قصہ سنایا۔ کہنے لگے کہ مجھے جب مکہ مکرمہ میں یہ معلوم ہوا کہ علامہ موسیٰ جار اللہ مصر میں صاحب فراش ہیں اور یہ ان کا مرض موت تھا تو میں نے صرف ان کی مزاج پرسی اور زیارت کے لئے قاہرہ کا سفر کیا۔ علامہ مرحوم نہایت علیل تھے جب ان کو معلوم ہوا کہ ایک بخاری عالم مکہ مکرمہ سے ان کی عیادت کے لئے حاضر ہوا ہے تو انہوں نے فوراً اندر بلا لیا اور مجھے دیکھ کر رونے لگے اور کہا کہ کیا میں اتنا بڑا آدمی ہوں کہ حرم مکہ سے ایک شخص تکلیف اٹھا کر مجھے دیکھنے کے لئے قاہرہ پہنچے۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگ گئے۔ میں نے ان سے کہا کہ یا شیخ! آپ کی آنکھوں نے شیخ محمد عبدہ اور رشید رضا جیسے بزرگوں کو دیکھا اور ان کے درس میں بیٹھنے کا آپ کو فخر حاصل ہے۔ میں تو اس کو بڑی بات تصور کرتا ہوں۔ یہ سن کر فرمانے لگے کہ ہاں! میں ہوں تو گنہگار لیکن یہی ایک امید ہے کہ بزرگوں کے طفیل

بخشا جاؤں۔

مخدوم بخاری چالیس سال سے مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر ہیں۔ وہ دن کو مدرسہ تحفیظ القرآن میں درس دیتے ہیں اور مغرب کے بعد حرم میں وعظ و نصیحت فرماتے ہیں۔ دو بار مجھے بھی مسجد الحرام میں ان کی عربی تقریر کی اردو میں ترجمانی کرنی پڑی، لیکن میں نے دیکھا کہ حرم میں اس طرح خطاب کرنے سے طبیعت میں کچھ بڑائی پیدا ہونے لگی اس لئے عمداً میں نے ترجمانی چھوڑ دی، باقی مخدوم بخاری سے علمی ملاقاتیں میں ان کے دولت خانہ واقع گلی بخاری متصل باب سعود پر حاضر ہو کر کرتا رہا۔ مخدوم بخاری نے مجھے کئی کتابیں ہدیہ کے طور پر عنایت فرمائیں، ان میں کچھ وہ رسائل بھی ہیں جو کہ علامہ موسیٰ جاراللہ کے خلاف یا تائید میں لکھے گئے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں چار بڑے عالم مانے جاتے ہیں، جن کو "اعلم حجاز" کہا جاتا ہے، ان میں سے دو تو گوشہ نشین ہو گئے ہیں اور لوگوں سے کم ملتے ہیں۔ ایک صاحب حکومت کی ملازمت میں ہیں، باقی چوتھے عالم سید علوی مالکی ہیں، جن کی علمی محفل کے متعلق سنا تھا ہمیشہ گرم رہتی ہے۔ وہ حرم میں بعد نماز مغرب مقام ابراہیم کے محاذات میں مسجد الحرام کی چھت کے نیچے درس حدیث دیتے ہیں۔ ۲۴ اپریل کی شام کو حرم میں ان کی خدمت میں پہنچا، جب میں نے انہیں اپنا نام بتایا تو نہایت ہی بے تکلفانہ انداز میں مجھ سے معانقہ کیا اور فرمانے لگے کہ میں آپ کو غائبانہ جانتا ہوں، اور میں نے آپ کا نام سنا ہے۔ یہ مشفقانہ جملے فرما کر مجھے بالکل اپنے قریب بٹھایا۔ اس کے بعد صحیح بخاری کا درس دینے میں مشغول ہو گئے۔ سامعین کا بڑا ہجوم تھا۔ ایک حضرموتی شاگرد جس کے چہرہ پر ابھی بال بھی نہیں آئے تھے عربی لہجہ میں عبارت پڑھ رہا تھا اور شیخ فصیح عربی میں اس کی شرح کرتے جاتے تھے۔

سید علوی مالکی کی اپنے ہمعصروں میں جو امتیازی خصوصیت ہے وہ ان کی فصاحت ہے آپ بہت بڑے ادیب اور فصیح اللسان عالم ہیں، میرے بزرگ دوست مولانا محمد یوسف صاحب بنوری شیخ الحدیث دارالعلوم نیو ٹاؤن کراچی جو کہ عرب کے علماء سے اچھا تعارف رکھتے ہیں اور بالعموم سال بسال حج کے لئے جاتے رہتے ہیں اور اس سال بھی تشریف لے گئے تھے وہ بھی سید علوی مالکی کی فصاحت بیانی کے معترف ہیں۔

شیخ علوی مالکی کے درس کی دوسری خاص چیز جو مجھے نظر آئی، وہ تھی ان کی رجال سند پر بحث۔ اپنے

ہاں شرح حدیث پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور کہیں کہیں اختلافی مسائل میں اسناد کے رجال پر کچھ کہا جاتا ہے، لیکن سید علوی مالکی کو دیکھا کہ وہ درس کے دوران ہر سند کے ایک ایک راوی کے سلسلۂ نسب اور اس کے سوانح حیات بیان کرتے چلے جاتے تھے یہ ان کی غیر معمولی قوت حافظہ کی دلیل ہے۔ یہ درس عشاء کی اذان تک جاری رہا درس سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے شام و عرب کے علماء اور اپنے صاحبزادہ سید محمد علوی سے میرا تعارف کرایا اور دوسرے دن بعد صلوٰۃ عصر اپنے دولت خانہ پر حاضر ہونے کے لئے کہا۔

دوسرے روز بعد صلوٰۃ عصر پروفیسر سید فخر الحسن صاحب کو ساتھ لے کر علامہ علوی مالکی کے دولت خانہ پر پہنچا جو کہ سلیمانیہ میں واقع ہے۔ شیخ کی علمی محفل گرم تھی۔ علماء اور معتقدین کا ایک جم غفیر حاضر تھا۔ اور آپ سوڈانی علماء سے خطاب فرما رہے تھے۔ سوڈان میں زیادہ تر مالکی مذہب رائج ہے اس لئے اکثر سوڈانی شیخ علوی کے ہاں آتے رہتے ہیں۔ ویسے بھی سید علوی مرجع علماء و صلحا ہیں۔ جیسے ہی انہوں نے مجھے آتے دیکھا مرحبا کہتے کے لئے اٹھے۔ معانقہ اور مصافحہ کیا اور جس تکیہ سے لگ کر خود بیٹھے تھے وہیں مجھے بٹھا دیا۔ یہ ان کی کرم فرمائی تھی۔ میں نے پروفیسر فخر الحسن صاحب کا بھی شیخ سے تعارف کرایا بڑے خوش ہوئے، اور پھر سوڈانی زائرین سے مصروف گفتگو ہو گئے۔ اس وقت سوڈانیوں سے یہ فرما رہے تھے

> یہ کوشش کی جارہی ہے کہ عوام کو علماء سے الگ رکھا جائے اور اس کا نتیجہ الحاد ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب علماء صالح اور اچھے ہیں۔ ان میں سے کچھ علماء سوء اور فتنہ پرداز بھی ہوتے ہیں۔ ان سے بچیں، صلحا کا کہا مانیں اور ان سے علم دین سیکھیں۔ جب تک قرآن موجود ہے کوئی اس کے خلاف کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اس مرحلے پر سوڈانیوں نے سید صاحب سے استفسار کیا کہ ہمارے مالکی علماء کی دو جماعتیں ہیں ایک جماعت نماز میں ہاتھ باندھنے پر زور دیتی ہے اور دوسری اس کی زبردست مخالفت کرتی ہے جواب میں سید علوی مالکی نے فرمایا کہ:۔

> اس مسئلہ میں امام مالک سے دو روایتیں ہیں ایک روایت مؤطا کی ہے جس سے عقد (ہاتھ باندھنا) ثابت ہوتا ہے اور دوسری روایت مدونہ کی ہے جس سے ارسال (ہاتھ

ابتدائی روایات پڑھ کر ان کے طریقے کی اجازت حاصل کی اور فرمایا کہ شیخ بیاست اور انگریزوں کی مخالفت میں منہمک تھے۔

میں سید علوی کی علمی مجالس میں اکثر حاضر ہوتا تھا۔ ان کے صاحبزادہ سید محمد علوی نے اس احقر سے حجۃ اللہ اور شیخ الریئس کا ایک رسالہ پڑھنے پر اصرار کیا، مشاغل کثیرہ کے باوجود ان کے اصرار پر مجھے اس کے لئے کچھ وقت نکالنا پڑا۔

۲۶ اپریل کو جیسے ہی عصر کی نماز سے فارغ ہوا، اپنے ایک قدیم دوست قاری رعایت اللہ صاحب سے ملاقات ہوگئی ان کی معیت میں دارالندوہ کو دیکھا جو کعبۃ اللہ کے شمال میں واقع ہے۔ حرم کی توسیع کے سلسلہ میں اس طرف تعمیر ہو رہی تھی اس لئے دارالندوہ کا کچھ حصہ گرایا جا چکا تھا۔ آئندہ تو اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ افسوس ہے اس قسم کے آثار قدیمہ کی طرف حکومت کوئی توجہ نہیں دیتی شاید اس کے نزدیک غالباً ان کو بھی بدعت شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مولد النبیؐ کی زیارت نصیب ہوئی، جہاں اب ایک لائبریری قائم کی گئی ہے، وہاں سے لوٹ کر مدرسہ صولتیہ کے دفتر میں پہنچا جو باب السعود کے قریب روڈ پر واقع ہے اور اکثر و بیشتر پاکستان اور ہندوستان کے علما آتے رہتے ہیں۔ اسی روز مدرسہ صولتیہ میں بعد نماز جمعہ علما کا بڑا اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں پاکستانی علماء میں سے مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری خاص طور سے قابل ذکر ہیں ہندوستان کے علماء میں سے مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کو پہچانتا تھا۔ دفتر مہمانوں سے پُر تھا، مدرسہ کی طرف سے عربی طرز کا کھانا پیش کیا گیا۔ میزبانی کے فرائض حضرت مولانا حافظ محمد سلیم صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ فرما رہے تھے۔ اور ان سے میرا تعارف پہلے ہی ہو چکا تھا، دوسرے بزرگوں سے مولانا بنوری صاحب نے میرا تعارف کرایا۔

اس اجتماع میں خاص طور پر زیر بحث مسئلہ اس محشی اور عریاں عربی لٹریچر کا تھا، جو کہ لبنان اور امریکہ کی طرف سے مکہ مکرمہ میں دھڑا دھڑ پہنچ رہا ہے، سب علماء نے متفق طور سے علی میاں سے کہا کہ حکومت کی توجہ ادھر مبذول کرائیں لیکن آپ نے معذرت کی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مدارس کے متعلق بھی کچھ عرض کروں۔ مکہ مکرمہ میں صرف

تین مدارس تھے جو حکومت کے تسلط سے آزاد تھے۔ ان کا نصاب تعلیم بھی اپنا تھا۔ (۱) مدرسہ صولتیہ (۲) مدرسہ الفلاح (۳) مدرسہ دارالحدیث خیریہ۔ مدرسۃ الفلاح کے منتظمین نے توحال ہی میں اپنا مدرسہ حکومت کے حوالہ کر دیا ہے اور اب وہاں سرکاری مدارس والا نصاب جاری ہے۔ اپنے دونوں ساتھی پروفیسروں کی معیت میں اس مدرسہ کی زیارت کی۔ اچھی خاصی بلڈنگ ہے۔ سید علوی مالکی اور سید محمد مغربی بنانی جیسے مشاہیر علماء اس مدرسہ میں درس دیتے تھے۔

دارالعلوم حرم صولتیہ کے مؤسس مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ہیں۔ حضرت مولانا قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر میں ماہ جمادی الاول ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عثمانؓ سے ملتا ہے بارہ برس کی عمر میں قرآن ختم کرنے کے ساتھ ساتھ دینیات اور فارسی کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھیں اس کے بعد دہلی بغرض تعلیم تشریف لے گئے اور مولانا محمد حیات صاحبؒ کے مدرسہ میں داخل ہوئے تحصیل علم کا شوق مولانا کو لکھنؤ لے گیا اور مفتی سعداللہ صاحب سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہوا۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کے اساتذہ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا محمد حیات صاحب (۲) مفتی سعداللہ صاحب (۳) مولانا احمد علی صاحب بڈولی ضلع مظفر نگر جو آخر میں وزیر ریاست پٹیالہ ہوگئے تھے۔ (۴) عارف باللہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب چشتی۔ یہ استاد شاہ وقت تھے تمام علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

ہندوستان میں مولانا رحمت اللہ کے درس و تدریس کا زمانہ بہت کم ہے کیونکہ انصاری کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کی فکر نے آپ کو اس کا موقع نہ دیا، چند سال دربار کیرانہ کی مسجد میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ کے فیض یاب طلبہ میں سے چند خاص نام درج ذیل ہیں۔ ہندوستان میں مولانا کے جو خاص تلامذہ تھے ان میں سے بعض اصحاب نے مکہ معظمہ بھی پہنچکر مولانا سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

۱۔ مولانا عبدالسمیع صاحب۔ رامپوری۔ مصنف حمدباری (۲) مولانا امدادالدین صاحب چکوالی۔ یہ بزرگ بہت بڑے ادیب اور عالم تھے۔ کراچی سندھ میں بھی انہوں نے دکان کیا۔ سندھ کے مشہور عالم مولانا صادق صاحب کھڈھ والے نے مولانا چکوالی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ (۳) مولانا نور احمد صاحب امرتسری (۴) مولانا شاہ

ابوالخیر صاحب (۵) مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری بانی مدرسہ باقیات الصالحات مدراس (۶) مولانا بدرالسلام صاحب عثمانی کیرانوی مہتمم حمیدیہ کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ وغیرہم مولانا رحمت اللہ صاحب ہندوستان میں درس وتدریس کے ساتھ ردّ نصاریٰ کی مہمات میں بھی مصروف رہے یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اسلام کے خلاف زبردست مہم جاری کر رکھی تھی۔ پادری فنڈر (Revd. C. C. Fonder) اور اس کی جماعت کے لوگ اسلام کے خلاف بڑی دل شکن تقریریں کرتے پادری فنڈر کی کتاب "میزان الحق" سے عوام سہمے ہوئے تھے عیسائی مشنریوں کی ان جارحانہ کارروائیوں کے خلاف علمائے اسلام نے تیاری شروع کی اور مقابلہ کے لئے میدان میں آگئے اسلام کی حقانیت اور اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے ردّ نصاریٰ کی اس مذہبی جنگ کے قائد اول حضرت مولانا رحمت اللہ تھے۔ آپ نے اعلان فرمایا۔

"میں نے ہندوستان کے سب سے بڑے پادری جو علمائے مسیحین میں ممتاز حیثیت کا مالک اور میزان کا مصنف تھا اس سے خواہش ظاہر کی کہ وہ میرے ساتھ مجمع عام میں مناظرہ کرے تاکہ حق واضح ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام نے ان رسائل کی تردید اس لئے نہیں کی کہ وہ عاجز تھے بلکہ جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے"[1]

بالآخر وہ مناظرہ ۱۱ رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کو کٹرہ عبدالمسیح اکبرآباد آگرہ میں منعقد ہوا۔ مولانا کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں اور پادری فنڈر کے ساتھ پادری فرنچ تھے۔ مولانا رحمت اللہ نے نسخ وتحریف انجیل پر فاضلانہ بحث کی اور خود عیسائیوں کی مطبوعات سے نسخ وتحریف ثابت کر دی چنانچہ پادری فنڈر کو اعتراف کرنا پڑا کہ انجیل میں سات آٹھ جگہ تحریف ہوئی ہے اور یہ لکھ کے بھی دے دیا۔ تین دن تک مسلسل یہ مجلس مناظرہ منعقد رہی اور پادری صاحب کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

حضرت مولانا نے فتنۂ مسیحیت کے استیصال کی غرض سے جو کتابیں ردّ نصاریٰ میں تالیف کیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) اظہار الحق۔　　　　(مسلسل)

---

[1] اظہار الحق ص۳